© rasailojaraid.com

دعوتِ اسلامی اور کامیابی کا تصوّر

جناب اسعد گیلانی صاحب

ہر کام کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے کامیاب انجام کا مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے نظر انداز کر کے کام کیا جا سکے۔ کام کا بہتر آغاز کرنے والا اس کے خوشتر انجام کی توقع بہر حال رکھتا ہے اور تعاون کرنے والا دل سے یہ ضرور چاہتا ہے کہ اس کے تعاون کا نتیجہ کامیابی کی خوشخبری کی صورت میں اس کے سامنے ظاہر ہو۔

کامیابی کے مختلف تصورات لیکن دعوتِ اسلامی کا میدان کامیابی کے صرف ایک ہی مروجہ مفہوم کا پابند نہیں ہے کہ جو کچھ چاہا جائے اسے اِس دنیا میں مادی طور پر حاصل کر لیا جائے۔ اِس میدان میں کامیابی کے اُس سے مختلف مفہوم بھی مروّج ہیں۔

اللہ کی تشریعی حاکمیت کے مفہوم و مدعا سے بے خبر، اس کے نفاذ و اجراء سے بے پروا، اور خدائی احکام سے بے نیاز، بگڑے ہوئے فتنہ پرداز انسانی معاشرے میں دعوتِ اسلامی کا آغاز ایک انقلابی دعوت کا اعلان ہوتا ہے۔ یہ دعوت پیش کرنے والا بالعموم ایک فی قوم کے تناسُب سے اِس دعوت کا آغاز کرتا ہے اور تدریج و ترتیب سے ہی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں میں کم و بیش اضافہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے یہ ساتھی بھی بنیادی طور پر اسی انقلابی دعوت کے مبلّغ ہوتے ہیں اور اس تبلیغ کے نتیجے میں معاشرے میں سے اپنے ہم خیال افراد کو چھانٹ چھانٹ کر اپنے ساتھ ملاتے رہتے ہیں۔ اس معاشرے میں دعوتِ اسلامی کے اولین داعی اور پھر اس کے ساتھیوں کا اپنے سارے ممکن ذرائع و وسائل کے ساتھ عوام تک اپنی بات پہنچانے اور سمجھانے کی تمام تدابیر اختیار کرنا اور پھر عمر بھر اپنے مَوقف کو احسن سے احسن طریقے پر ان کے سامنے پیش کرتے رہنا اور بد سے بدتر حوصلہ شکن حالات میں بھی ہمت نہ ہارنا، اور حق بات کہتے، پھیلاتے اور پہنچاتے رہنا بجائے خود بہت بڑی کامیابی ہے، چاہے اس کے ظاہری نتائج چند افراد کی اصلاح تک ہی محدود ہوں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے چند حواریوں کے درمیان ہی دعوت محصور ہو کر رہ گئی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یُوں دعوت کو پُوری مستقل مزاجی سے پیش کرتے رہنا بھی بجائے خود بہت بڑی کامیابی ہے۔

اجتماعی تبدیلیوں کا انحصار مشیّتِ الٰہی کے اُن فیصلوں پر مبنی ہوتا ہے جو قوموں میں بناؤ اور بگاڑ کے متعین اصولوں کے مطابق نافذ ہوتے ہیں اور جن کا منشا انسانی معاشرے کو قابلِ برداشت حالات میں قیامت تک کی ایک مدتِ معیّنہ تک زمین پر آباد رکھنا ہے۔ ایسے حالات میں تبدیلی کی خواہاں ہر تحریک چاہے وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، معاشرے کے پُرامن وجود کو برقرار رکھنے اور انسانی آبادیوں کو قابلِ رہائش رکھنے کی پابندی کے تحت ہی عملاً نتیجہ خیز یا بے نتیجہ ہوتی ہے۔

البتہ دعوتِ اسلامی کی تحریک چونکہ انسانی زندگی کے لیے دین و دنیا دونوں پر محیط ہوتی ہے اور اس کا وجود دنیا سے آخرت تک کے نتائج سے بحث کرتا ہے اس لیے اس کا تصورِ کامیابی وسیع تر مفہوم کا حامل ہوتا ہے "دنیا میں نظامِ اسلامی کا قیام اور اللہ کے دین کا غلبہ اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول"۔۔۔۔ اِس طرح دعوتِ اسلامی کے ایک کام کے نتیجے میں عملاً دو کامیابیاں اس کے پیشِ نظر ہوتی ہیں۔ دنیوی اور مادی کامیابی کا تعلق غلبہ اسلام سے ہوتا ہے جو دنیا کے مادی اسباب کے تحت ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک رضائے الٰہی کے حصول کا تعلق ہے وہ کسی مادی کامیابی کے حصول سے مشروط نہیں ہے۔ وہ تو بندے کے اخلاصِ عمل اور وفاداری بشرطِ استواری کی قدر افزائی پر مبنی ہے۔ اِس لیے دنیا کی سیاسی تحریک کی ناکامی مومن کو رضائے الٰہی کے حصول کی کامیابی سے نہیں روک سکتی۔ بلکہ بعض حالات میں تو اس کے حصول میں مددگار و معاون بن جاتی ہے۔

مومن کی زندگی میں کامیابی کا یہ اُخروی تصورِ عمل کے دائرے میں بہت وسیع اثرات رکھتا ہے۔ اقامتِ دین کا کام بجائے خود ایک فریضہ اور عبادتِ الٰہی ہے۔ مومن عمر بھر فریضۂ نماز ادا کرتا ہے لیکن اس کے لیے دنیا میں زندگی بھر کسی بدلے کی کوئی امید اور آرزو نہیں رکھتا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتا اور حج کا پُر صعوبت سفر اختیار کر کے نہایت محنت سے کمایا ہوا مال صرف کرتا ہے۔ لیکن اس مال اور مشقت کے بدلے میں بھی اِس دنیا میں کسی بدلے کی طلب نہیں رکھتا، بلکہ جو کچھ چاہتا ہے اللہ سے چاہتا ہے اور اس کے پاس جا کر آخرت میں ہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح فریضۂ اقامتِ دین بھی ایک عبادت ہے جسے ہمیشہ انبیاء اور صالحین ادا کرتے رہے ہیں اور مومن اِس جد و جہد اور عبادت کا اجر بھی خدا سے ہی چاہتا ہے اور آخرت میں ہی چاہتا ہے۔ شاید یہی وہ تاثر تھا جس کے تحت حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا تھا کہ "ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو ہمارا عمل واضح اور اللہ سے امیدیں بہت تھیں۔ اے کاش کہ ہم اُس دور میں ہی اِس دنیا سے اُٹھ گئے ہوتے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کامیابیوں نے تو معاملہ مخدوش کر دیا ہے۔"

دنیا میں صالحین کے ذریعے نظامِ اسلامی کے غلبے والی کامیابی اللہ کے نزدیک اتنی بے حقیقت اور ناقابلِ التفات ہے کہ اس نے اپنے قرآن میں اپنے ہی بھیجے ہوئے جن انبیاء کا تذکرہ کیا ہے ان میں کثیر تعداد صرف ان اولوالعزم انبیاء کرام کی ہے جو عمر بھر اپنا فریضۂ دعوتِ اسلامی ادا کرتے رہے لیکن دنیوی غلبے سے محرومی کی حالت میں ہی اپنے مالک کے پاس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کا اپنے قرآن میں جابجا متعدد بار بے تکلف تذکرہ فرمایا ہے، اور اس بات کی قطعی پروا نہیں کی کہ بعد میں آنے والے مومنین دعوتِ اسلامی کی دنیوی مادی ناکامی کی اتنی کثیر مثالوں سے بددل ہو جائیں گے۔ بلکہ ان مثالوں کو اپنے مخلص وفادار اور محسن بندوں کے انتخاب و تربیت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان کے سامنے یہ حقیقت واضح کر کے رکھ دی ہے کہ حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور بندۂ مومن کو اپنا سارا زور آخرت کی زندگی اور اس کی بہتری اور اُخروی انعامات کے حصول کی سعی پر ہی صرف کرنا چاہیے۔

حضور نے فرمایا " دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔" (صحیح مسلم)

دوسرے موقعہ پر آخرت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضورؐ نے سمندر میں سے چڑیا کے چونچ بھر پانی کو آخرت اور دنیا کی نسبت کے طور پر بیان فرمایا اور اُخروی انعام کا ذکر اس طرح فرمایا کہ:

"جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور دنیا کے سرو سامان سے بہتر ہے" (بخاری)

اس سلسلے میں ایک تمثیل بھی حضورؐ نے پیش فرمائی:-

" فرمایا: دنیا کے سب سے خوش حال آدمی کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا پھر جب آگ اس کے جسم پر اپنا پورا اثر دکھائے گی تب اس سے پوچھا جائے گا کہ کبھی تُو نے اچھی حالت بھی دیکھی ہے؟ تجھ پر کبھی عیش و آرام کا زمانہ بھی آیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں، تیری قسم اے میرے رب، کبھی نہیں۔ پھر دنیا میں انتہائی تنگی کی حالت میں زندگی گزارنے والے شخص کو لایا جائے گا۔ جب اس پر جنت کی نعمتوں کا رنگ خوب چڑھ جائے گا تب اس سے پوچھا جائے گا کہ تُو نے کبھی تنگی بھی دیکھی ہے؟ کبھی تجھ پر تکلیف کا دور بھی گزرا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے رب، میں کبھی تنگ دستی اور محتاجی میں گرفتار نہیں ہوا۔ میں نے تکلیف کا کوئی دور کبھی نہیں دیکھا۔" (صحیح مسلم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت کی دنیوی کامیابی کے بے شمار اسباب میں ایک یہ راز بھی مضمر ہے کہ حضورؐ قیامت تک کے لیے آخری نبی ہیں۔ حضورؐ کا لایا ہوا دین قابلِ عمل اور قابلِ اتباع ہے اور ہر دور میں اس کے غلبے کے لیے عام معمول کے مطابق عملی جدوجہد کی جا سکتی ہے۔ اس طرح یہ دنیوی فلاح اور اُخروی نجات کا وہ بہترین عملی نسخہ ہے جس پر عمل کرکے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے اور مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس کام کے لیے عملی جدوجہد کریں اور حسبِ استعداد اور حسبِ توفیق کامیابیاں حاصل کریں۔ اس لیے کہ صرف یہی ایک ایسا کام ہے جس میں اوّلین اقدام کے ساتھ ہی کامیابی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چند افراد تک دعوت پہنچا کر دنیا سے رخصت ہو گئے تو بھی کامیابی ہے۔ کامیابی خارجی مظاہر سے زیادہ اُخروی نتائج کے ساتھ وابستہ ہے اور اس راہ پر چلنے والا کوئی ایک شخص بھی اُخروی کامیابی کو چھوڑ کر صرف دنیوی کامیابی کے حصول پر راضی نہیں ہو سکتا۔ دعوتِ اسلامی کے علم برداروں میں سے ہر شخص کے سامنے اگر دونوں میں سے ایک ہی کامیابی رکھ دی جائے تو ان میں سے کوئی نہ ملے گا جو اُخروی کامیابی پر دنیا کی بادشاہت کو ترجیح دے سکے۔ یہی اُسوہ انبیاءؑ ہے اور دعوتِ اسلامی کے سب علم بردار ہر دور میں پورے شرحِ صدر کے ساتھ اسی اُسوہ کے پیرو کار ہوتے ہیں۔

ہر فرد کی کامیابی اس کے اپنے فریضے کی ادائیگی کے معیار کے مطابق جانچی جاتی ہے نہ کہ کسی دوسرے کی کارکردگی کی نسبت سے۔ دعوتِ دین کے علم بردار اور دعوتِ اسلامی کے مبلغ کا پہلا فریضہ حق بات کو دوسروں تک احسن طریقے کے ساتھ پہنچا دینا ہے اور اسی کام کے نقطۂ نظر سے وہ جانچا جائے گا کہ کیا اس نے اپنی رسائی کی حد کے اندر قوم کے فرد فرد تک دعوت پہنچائی؟ احسن طریقے پر پہنچائی؟ تمام مشکلات کو صبر کے ساتھ برداشت کرکے اور تمام مخالفتوں کے باوجود پہنچائی؟ اور اس راستے کی تمام مزاحمتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا؟ اگر اس نے یہ کام اپنے ضمیر کی طمانیت، اپنے رفقاء کے اعتماد و اعتراف اور اپنے دعوتی نظم کے اطمینان کی حد تک کر لیا تو وہ اپنے فرض کی انجام دہی میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں تک اس دعوت کو قبول کرنے یا رد کر دینے، اور قبول کرنے کی صورت میں موافقت، یا رد کر دینے کی صورت میں مخالفت کا تعلق ہے یہ داعی کا نہیں مخاطب کا دائرۂ کار ہے، اور ظاہر ہے کہ جس مقام سے خدا کے سامنے جواب دہی کا وہ دائرہ شروع ہوتا ہے جس کا تعلق دعوتِ دین کے کارکن سے نہیں ہے، اس کی کوئی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوتی۔ دعوت کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا ثواب و عذاب داعیٔ حق کا نہیں بلکہ مخاطب قوم کا خود اپنا حصہ ہے۔ اگر داعیٔ حق کے مخاطب کچھ لوگ دعوت سُن کر اسے اعترافِ حق کی حد تک قبول کرتے ہیں یا اس سے آگے بڑھ کر رفاقت کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس راستے میں ایثار و قربانی بھی کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کی اپنی کامیابی ہے۔ اور اگر دعوتِ دین سے مُنہ موڑ کر جہنم کے گڑھے اور غضبِ الٰہی کا رُخ کرتے ہیں تو یہ بھی ان کی اپنی تباہی اور ناکامی ہے۔ داعیٔ حق اپنا فریضہ ادا کر دینے کے بعد دونوں صورتوں میں کامیاب ہے۔

غلبۂ اسلام بھی مطلوب ہے کامیابی اور ناکامی کی ان اخلاقی تعبیرات کے باوجود دعوتِ دین کی یہ کامیابی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام و فرامین اللہ کے بندوں پر بالفعل نافذ ہوں ایسی دلفریب، دل خوش کُن اور خوشگوار صورتِ حال ہے جسے مکمل کامیابی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے، اور ایک بندۂ حق جو ہر حال میں راضی برضا رہنے کا ہی عادی ہے اس کے دل کی گہرائیوں کی آواز بھی یہی ہوتی ہے کہ کاش اللہ کا دین اس کی زمین پر کامل صورت میں نافذ ہو۔ مومن کی جدوجہد کا شاندار نتیجہ یہی ہے کہ اللہ کے بندوں پر صرف اللہ کا قانون ہی جاری ہو۔ صرف مالک کے سامنے ہی سر جھکایا جائے اور سارے طاغوتوں کو سرنگوں کر کے قلب و نظر کے کعبے میں سے ایک ایک بُتِ طنّاز کو رخصت کر دیا جائے اور بادشاہی اور حکم سارے کا سارا صرف اللہ کا ہی ہو کر رہے۔ یہ وہ آخری اور کامل صورت ہے جس کے لیے دِل تڑپتا ہے، آنکھوں میں آنسو چھلکتے، سینے میں جذبے انگڑائیاں لیتے اور جذبات مشتعل ہو کر اس کی آمد کا انتظار کرتے ہیں۔

قرآنی تاریخ کی گواہی لیکن انبیاءؑ کی قرآنی تاریخ اِس حقیقت پر گواہ ہے کہ آخری اور کامل کامیابی انسانی تاریخ کی عظیم اسلامی تحریک، حضورِ اکرمؐ کی جماعت کو ہی حاصل ہوئی۔ اور یہ کامیابی بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ داعیٔ حق بہرحال اپنے ساتھیوں کی رفاقت اور مدد سے ہی حالات کے سینے میں سے کوئی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔ اِس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ داعی کے ساتھیوں اور تحریک کے کارکنوں کی تعداد، استعداد، صلاحیت، اخلاص، ایثار و قربانی، اور بنیادی انسانی صفات اور اسلامی دعوتی خصوصیات اس معرکے میں فیصلہ کن ہوتی ہیں۔ نظامِ زندگی بدلنے کا یہ اجتماعی کھیل ایسا ہے جس کو ایک باصلاحیت ٹیم کے بغیر کوئی کپتان اکیلا نہیں کھیل سکتا۔ کپتان تو ہدایات دے سکتا ہے۔ اعلیٰ منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ مخالف ٹیم کی پالیسی سمجھ کر اس کا توڑ کر سکتا ہے لیکن وہ اپنے ساتھیوں کی جگہ خود نہیں کھیل سکتا۔ خود تو وہ اپنی جگہ ہی کھیل سکتا ہے اور اپنا کردار ہی ادا کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کام دھوکے، چالبازی، شعبدہ بازی، اور دغا فریب کا بھی نہیں ہے کہ تنہا ایک فرد وقتی طور پر لوگوں کو نظر فریبی میں مبتلا کر کے ایک نتیجہ نکال کر دکھا دے۔ بلکہ یہ کام تو سیدھا سادھا انسانی اصلاح کے لیے عملی جدوجہد کا فطری کام ہے جو کسی گروہ کی اجتماعی جدوجہد کی تعداد اور جدوجہد کرنے والے افراد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی استعداد کے مشترکہ سرمائے سے نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں انسانی تاریخ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش قسمت ترین داعیٔ حق ہیں کہ انہیں اپنے دور کا بہترین انسانی سرمایہ میسّر آیا اور حضورؐ نے بھی اس سرمائے سے خوب خوب کام لیا۔ چُن چُن کر اپنی ضرورت کے آدمیوں کو لیا اور جو آگے بڑھ کر اس جدوجہد میں شریک ہوئے ان میں سے ایک ایک فرد انسانی معاشرے کا گلِ سرسبد تھا۔ تحریک کے لیے ایثار و قربانی میں کوئی کسی سے پیچھے نہ تھا۔ اپنے ہی افرادِ خانہ، افرادِ خاندان، اور برادری اور قوم کے لوگوں سے لڑجانا اور تلواریں سونت کر انسانی مقتل میں نکل آنا کوئی معمولی کھیل تماشہ نہیں ہے۔ اپنے آباد بھرے شہروں کو بیک وقت بہ حیثیت جماعت چھوڑ جانا اور ان میں سے کسی ایک فرد کا بھی قربانی سے پیچھے نہ رہنا کوئی معمولی ایثار نہیں ہے۔ اپنے معاشی مفادات اور چودھراہٹوں پر لات مار کر فقیر اور درویش بن کر نکل کھڑے ہونا کوئی مذاق نہیں ہے۔ یہ امتحانات ساری جماعت کے فرد فرد نے دیئے اور سارے ہی کارکن ان سارے ہی امتحانات میں کامیاب و کامران نکلے۔ جب ایسے ایثار پیشہ کارکن ہوں اور اتنی بڑی تعداد میں موجود ہوں تو پھر ان کو دوہری کامیابی سے کیوں نہ نوازا جاتا۔

تین مطلوب چیزیں: اخلاص۔ ایثار و قربانی اور استقامت

نظریہ کا مطالعہ کر لینا، اسے بیان کر لینا اور پھر اس کے لیے ولولہ انگیز پرجوش تقاریر کر لینا تو چشم و گوش و زبان کا کام ہے لیکن نظریے کے لیے دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہونا اور زبانِ حال سے یہ کہہ دینا کہ "لو سنبھالو یہ مال و متاع، میرے لیے اللہ اور اس کا رسولؐ ہی کافی ہیں" وہ عظیم عملی شہادتِ حق ہے جسے ادا کرنے کے لیے صدیقؓ و فاروقؓ کا جگر چاہیے۔ تحریکِ اسلامی کی دنیوی کامیابی کے لیے جس ٹیم کی ضرورت ہے اس کی صفات قرآن و حدیث میں بہت وضاحت سے بیان کر دی گئی ہیں اور خود حضورِ اکرمؐ کی تحریک کے کارکنوں نے اپنے عمل کی زبان سے اس کی تصویر کھینچ دی ہے۔ اِس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ ان صفات سے نظر چُرا کر گزرنے والا کوئی شخص بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ قوم کے اندر اسلامی تحریک چلانے والوں کی متناسب (PROPORTIONATE) تعداد، ان لوگوں کا اپنے مقصد کے لیے اخلاص و جذبہ اور زبردست ایثار و قربانی۔ اور ہر آزمائش میں عزیمت و استقامت کا عملی مظاہرہ، یہ تین چیزیں فراہم ہو جائیں تو تحریک کی دوہری کامیابی کا امکان یقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن ان عناصر میں جس درجہ کمی ہو گی خوشگوار نتائج کی دوری اور طوالت اسی قدر بڑھ جائے گی۔ اگر یہ چیزیں مطلوبہ معیار سے بہت کم ہوں تو عام مُصلحِ اُمّت داعی تو الگ رہا خود نبی کی قیادت میں بھی نتیجہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام کے قیام کی صورت میں برآمد نہیں ہوتا۔ ایثار و قربانی درحقیقت معاشی ضربیں کھانے اور تحریک کے راستے میں جان و مال کھپانے کا نام ہے۔ رشتہ و ناطہ اور الفت و محبّت کے تعلقات مقصدِ زندگی کے لیے اُستوار کرنے اور اسی کے لیے قطع کر دینے کا نام ہے۔ صرف اللہ کی رضا چاہنے اور دوسرے ہر شخص کی رضا کو اللہ کی رضا کے تابع کر دینے کا نام ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بکا ہوا سمجھنے اور فروخت شدہ غلام کی حیثیت سے ہی اس کے ساتھ معاملہ کرنے کا نام ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (توبہ : ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومن صرف ایک اللہ کی بندگی ہی کر سکتا ہے، وہ کسی دوسرے کی بندگی اور اطاعت خدا سے آزاد ہو کر نہیں کر سکتا، اور نہ وہ اس صورت میں ہی چین سے بیٹھ سکتا ہے جب اس کے اپنے بادشاہ کا حکم اس پر جاری ہونے کے بجائے اس کے بادشاہ کے کسی باغی کا حکم اس پر جاری ہو رہا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوب فرمایا تھا کہ

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ تم خدا اور دولت (خواہشِ نفس) دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔"

ظاہر ہے کہ اللہ کی بندگی کا معاہدہ اللہ کے ساتھ بیع کا معاملہ ہے اور بِک جانے کے بعد اس کی اپنی مرضی نہیں بلکہ خریدنے والے کی مرضی چلے گی۔ بلکہ یہ بھی وہ خود ہی طے کرے گا کہ بندے میں مصائب برداشت کرنے کی استعداد کس قدر ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کا یہی مطلب ہے۔ وہ اپنے غلام پر وہ مصیبت ڈالے گا ہی نہیں جو اس کی وسعت سے باہر ہو اور جو مصیبت اس کی طرف سے آئے گی وہ اس ناپ تول اور فیصلے کے بعد ہی آئے گی کہ اس کی برداشت بندے کی وسعت میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے بندے تو اپنے مالک کے راستے میں گردنیں کٹاتے، پھانسیوں پر لٹکتے اور شہادت کے مراتب حاصل کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنے کس بندے کو پھانسی کے تختے تک لے جائے اور کس بندے کو معمولی قید و بند سے ہی واپس لے آئے۔ استعداد کے بارے میں یہ فیصلہ بندے کے حوالے نہیں کیا گیا ہے یہ فیصلہ مالک خود کرتا ہے اگر یہ فیصلہ خود بندے کے حوالے ہوتا تو کتنے لوگ ہوتے جو درجاتِ عالیہ سے بہرہ ور ہوتے اور شہادت و صدیقیت کے مدارجِ عالیہ پر فائز ہو سکتے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثالیں دعوتِ دین کا راستہ ہی آزمائش و ابتلاء، ٹکراؤ اور دعوتِ مبارزت، تصادم اور جان دینے اور لینے اور سر ہتھیلی پر رکھ کر چلنے کا راستہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحریک ابھی بالکل ابتدائی مرحلے پر ہی تھی جب وہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں:-

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین میں صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جُدا کر دوں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہونگے۔ جو کوئی باپ ماں کو مجھ سے عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے وہ اسے بچائے گا (انجیل متی ۱۰: ۳۴-۳۹)۔

"دیکھو میں تمہیں بھیجتا ہوں گویا بھیڑیوں کے بیچ میں۔۔۔ آدمیوں سے خبردار رہو وہ تمہیں عدالتوں کے حوالے کریں گے، کوڑے ماریں گے اور میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کریں گے"

"اپنی صلیب آپ اٹھاؤ (یعنی سر ہتھیلی پر رکھ لو) اور میرے پیچھے آؤ۔ جو شخص میرے لیے اپنے ماں باپ بہن بھائی اور اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں"

"جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کر سکتے ان سے نہ ڈرو بلکہ اس سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے"

اللہ کے راستے میں جان کے ساتھ ساتھ مال بھی کھپانے کے بارے میں فرمایا:

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو" (انجیل متی)

یہ تقریباً وہی بات ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی:

"اپنے وارث کے مال کو نہیں بلکہ اپنے مال کو پسند کرو اور تمہارا اپنا مال وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں آخرت کے لیے خرچ کر دیا"

ایک دوسرے موقع پر تحریک کے لیے مالی آزمائشوں کو برداشت کرنے کے لیے پیشگی تنبیہ کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرمؐ کے پاس آیا:

"میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں" اس نے حضورؐ سے کہا:

آپ نے فرمایا: "جو تم کہتے ہو اس پر غور کر لو"

"بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں" اُس نے تین بار دُہرایا۔

آپؐ نے فرمایا "اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر و فاقے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار فراہم کر لو۔ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی طرف فقر و فاقہ سیلاب سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا ہے"

اسلامی نظام کے لیے جدوجہد کے آغاز کے ساتھ ہی اسی نوعیت کے نقطۂ نظر کا اظہار حضرت عیسیٰؑ نے بھی کیا تھا جب انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا۔

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا، تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔"

مزید فرمایا:۔

"اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں، پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم اُن سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے۔ اے کم اعتقادو، تم پہلے خدا کی بادشاہت اور اس کی راست بازی تلاش کرو تو پھر یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔" (انجیل متی)۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک انقلابی دعوت کا پیغام ہے جس میں انسانی جان زبردست کھکھیڑ سے دوچار ہوتی ہے اور جن کو کھکھیڑ سے گریز ہو ان کا یہ راستہ نہیں ہے۔ ایسے کٹھن راستے باتوں سے نہیں پیہم عمل اور مسلسل جدوجہد سے طے ہوتے ہیں۔

قرآن کی تشبیہات دنیا میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے جہاں زبردست جدوجہد، پیہم ایثار و قربانی، تمام ضروری اسباب و وسائل کی فراہمی اور حالات کی سازگاری مطلوب ہے وہاں آخرت کے لیے بھی ایمان، خلوص اور عملِ صالح کے ساتھ ساتھ راہِ حق میں قربانیوں کا قابلِ قدر ریکارڈ درکار ہے۔ اسلامی نظام کی جدوجہد میں جو مقاماتِ آزمائش آتے ہیں اُن میں معاشی ذرائع کی بندش اور تباہی، ملازمتوں کا چھوٹنا اور کاروبار کا مندا پڑ جانا تو اس راستے کے معمولی سنگِ میل ہیں جنہیں دیکھ کر ہی راستے کی شناخت ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقی راستہ تو مزید اس سے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت آگے اور منزل تو اس کے بھی آخری سرے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے خالص بندوں کو آزمائشوں کے ذریعے ہی ٹھونک بجا کر دیکھتا ہے۔ زبانی دعووں میں تو منافقین بھی کسی سے کم نہیں کچھ آگے ہی ہوتے ہیں

فرمایا گیا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ (البقرہ-۲۱۴)

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی وہ حالات تو تم پر گزرے ہی نہیں جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکے ہیں۔ ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا مارے گئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد، سنو! اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

مزید فرمایا گیا:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ؂ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ؂ (العنکبوت-۲-۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر وہ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم نے ان سب لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

اسی بیان کی تائید سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان کرتا ہے جب انہوں نے فرمایا "مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے۔"

"جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔"
(انجیل متی)

مالکِ کائنات جو وقتاً فوقتاً اپنی حکمت کے ماتحت انسانی آبادیوں میں اسلامی تحریک خود برپا کرتا ہے تاکہ اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے انتظام فرمائے۔ ایسی تحریک سے وابستہ ہونے والوں کو ہمیشہ جن جن آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان کا تذکرہ قرآن میں کیا گیا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ

ہم ضرور تم کو خطروں اور فاقوں اور تمہارے مال و جان اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۔ (البقرہ : ۱۵۵)

پیداوار کے نقصانوں کے ذریعے آزمائیں گے اور اُسے نبی ان لوگوں کو کامرانی کا مژدہ سنا دو جو ان خطرات و نقصانات کو صبر و ضبط سے برداشت کریں۔

اس آیت میں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو مندرجۂ ذیل آزمائشوں کے لیے نہ صرف تیار رہنے بلکہ ان میں سے صبر و استقامت کے ذریعے کامیابی کے ساتھ گزرنے پر ہی بشارت دی گئی ہے۔

— خوف و خطر

— فاقہ کشی اور شدید تنگ دستی

— مال و تجارت اور ملازمت کا نقصان اور دیگر معاشی پریشانیاں۔

— جان کا خطرہ اور اندیشہ

— ہر قسم کی پیداوار (زرعی صنعتی وغیرہ) کا نقصان

آزمائشوں کی اس اطلاع کے ساتھ اس دنیوی رشتہ و ناطہ پر بھی ضرب لگائی گئی ہے جو ایمان کے رشتہ میں پرو یا ہوا نہ ہو۔

"تم کسی ایسے گروہ کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُن لوگوں سے اُلفت و مودت کا رشتہ رکھے ہوئے نہ پاؤ گے جو اللہ اور رسول کی عداوت اور مخالفت پر کمر بستہ ہوں۔ خواہ وہ اس کے اپنے ہی باپ یا بیٹے یا بھائی یا اہلِ خاندان کیوں نہ ہوں۔" (مجادلہ۔۳)

اسی تنبیہ کے ساتھ ہم آواز ہو کر اس سے پہلے اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ چکے ہیں:

"جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور وہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو گا۔" (انجیل متی)

ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو کسی حاضر و موجود باطل نظام کے خلاف لڑ رہے ہوتے ہیں ان کا عمومی رویہ اس نظام کے ساتھ سخت غیر مصالحانہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ برسرِ جنگ ہی رہتے ہیں۔ البتہ کبھی یہ جنگ سرد ہوتی ہے اور کبھی گرم۔ یہ جنگ ایسی ہوتی ہے کہ اسلامی نظام کے علمبردار حصولِ انصاف کی خاطر بھی کبھی جاہل نظام کی عدالتوں سے رجوع نہیں کرتے، اس لیے کہ طاغوت کا پورا وجود ظلم و زیادتی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے قانون کی حفاظت سے اپنے آپ کو محروم کرنا مومن کی حمیت کا بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی انصاف کی توقع ہی عبث ہوتی ہے۔ مردِ مومن الٰہی قانون کے علاوہ کسی دوسرے اقتدار کو جائز اقتدار تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے اس کے لیے باطل کی عدالتوں سے حصولِ انصاف کی خاطر رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیمِ ملک سے پہلے انگریز کے اقتدار میں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں نے اپنے آپ کو عدالتوں کی طرف رجوع سے الگ کر لیا تھا اور طاغوتی قانون کی حفاظت میں جانے سے اپنے آپ کو خود محروم کر لیا تھا۔

غالب نظام کے مقابلے میں یہ طرزِ عمل خود آزمائشوں کو دعوت دینا ہے۔ نظامِ غالب اپنے باغی کو خود پہچان لیتا ہے اور پھر اس کے خلاف اس کے سارے حربے فرعونی جادوگروں کے سانپوں کی طرح حرکت میں آ جاتے ہیں اس لیے کہ کلمۂ حق بیان کرنا اور اعترافِ حق کر کے غلبۂ حق کے لیے جدوجہد کرنا اخلاص کی پہلی شرط ہے اور جیسے ہی دعوائے ایمان پیش ہوتا ہے زمانہ دلیلِ ایمان فوراً طلب کرتا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران ۱۷۹)

اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ مومنوں کو اسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب ہیں۔ وہ باز نہ رہے گا جب تک طیّب اور خبیث کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کر دے۔

پھر سورۂ توبہ میں تو بالکل ہی صاف صاف للکار کر گروہِ مومنین کو بتا دیا گیا کہ دعوائے ایمان پھولوں کی سیج اور محض بیانِ سخن شیریں نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم مشن کی علم برداری کا اعلان ہے اور وہ مشن دنیا کی تمام حاکمیتوں کو مسمار و منہدم کر کے صرف اللہ کی فرمانروائی کا جھنڈا بلند کرنے کا مشن ہے۔ یہ دنیا کی تمام بڑی سے بڑی مادی طاقتوں کی گردن میں ہاتھ ڈالنے والی جسارت ہے۔ یہ بھڑوں کے چھتے میں نہیں بلکہ شیر کے بھٹ میں چھلانگ لگانے والی جرأت ہے۔ اس لیے اس تصادم میں مادی نقصانات کا ہونا اس کام کا فطری نتیجہ ہے چنانچہ ہر پسندیدہ چیز جو اللہ کی راہ میں قربان ہونی چاہیے گنوا گنوا کر بتا دی گئی ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

"ان سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندے پڑ جانے کا تمہیں ڈر لگا ہوا ہے اور وہ گھر بار جنہیں تم پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو بیٹھے انتظار کرتے رہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔ (التوبہ : ۳) یہاں تک کہ خدا اپنا کام پورا کرے یقین رکھو کہ اللہ فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں بخشتا ۔

اور پھر اللہ نے جن لوگوں کو اپنے پسندیدہ اور فائز المرام بندے قرار دیا، ان کے کارناموں کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے ۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (التوبہ : ۲۰) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے حق کی خاطر گھربار چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے ان کا درجہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے اور وہی لوگ حقیقت میں کامیاب ہیں ۔

ان آیات میں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو جو قربانیاں دینے کی دعوت دی گئی ہے وہ یہ ہیں :

۱ - باپ، بیٹے، بھائی اور بیویاں جو محبت کے بہترین دنیوی رشتے ہیں ،

— رشتہ اور برادری کے لوگ جو دنیوی بندھن میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں ۔

— کمائے ہوئے مال جو دنیوی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں ۔

— تجارت کا مندا پڑنا جو کسی کو بھی گوارا نہیں ہوتا اور جس سے معاشی ترقی وابستہ ہوتی ہے ۔

— گھربار اور مکانات جو آرام و راحت کا مسکن ہوتے اور محنت و مشقت سے بناتے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ آبائی اور دیرینہ محبتیں وابستہ ہوتی ہیں ۔

ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کے دین کے لیے جہاد اور جد و جہد سے گریز کرنا فسق و فجور اور ہدایتِ الٰہی سے محرومی کا کام قرار دیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کو دھمکی دی گئی کہ وہ اللہ کا کام پورا ہونے تک انتظار کریں پھر وہ اپنا انجام بذخود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے ۔ (باقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان اور طمانیّتِ قلب[1]

(عبد الحمید صدیقی)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔ (الانعام: ۸۲)

"اہل ایمان جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا انہی کے لیے حقیقی امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔"

امن کی یہ بشارت حیاتِ دنیا کے لیے بھی ہے اور موت کے بعد کی ابدی اور لازوال زندگی کے لیے بھی۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے مومن کو نہ تو امورِ رفتہ کی یاد ستاتی ہے نہ وہ پُرخطر حالات میں گھبراتا ہے اور نہ مستقبل کے اندیشہ ہائے موہوم اسے مضطرب کرتے ہیں۔ زمانہ کے تلخ و شیریں اور گرم و سرد حالات میں وہ کچھ اس طرح پُرسکون رہتا ہے جیسے جنت میں پُرسکون زندگی بسر کرنے والا۔ طمانیتِ قلب کی یہ متاعِ عزیز کتنی گراں قدر چیز ہے اس کا اندازہ صرف وہ پریشان آدمی کر سکتا ہے جو ہر وقت خوف اور اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ ایک دانا سے سوال کیا گیا سرور کیا ہے؟ اور خوشی کا راز کیا ہے؟ اس نے کہا "سکون"۔ کیونکہ محرومِ سکون کے پاس زندگی کے ہزار ساز و سامان بھی موجود ہوں تو اس کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔

محرومِ ایمان کا اضطراب اور صاحبِ ایمان کا سکون "میں ایک دائمی خوف میں مبتلا ہوں۔ لوگوں کا خوف، اپنی ذات کا خوف اور دیگر اشیاء و موجودات کا خوف۔ خوف مکمل طور پر میرا احاطہ کیے ہوتے ہے۔ نہ دولت و ثروت مجھے سکون بخشتی ہے نہ بلند منصب، نہ صحت، نہ عورت، نہ محبت، نہ تفریح کے رنگا رنگ پروگرام۔ ہر چیز کو میں نے آزما دیکھا، کوئی بھی تو میرے لیے سکون بخش ثابت نہ ہوئی۔ آخر یہ خوف مجھ پر کیوں مسلط ہے۔ کیا یہ آلام و افکار کا پیدا کردہ ہے؟ نہیں مجھے کوئی غم لاحق نہیں، نہ کسی بات کی فکر ہے۔ دنیا اور اسبابِ دنیا میں سے ہر چیز میرے پاس موجود ہے۔

[1] یہ مضمون بھی الحیاۃ والایمان سے ماخوذ ہے۔

© rasailojaraid.com